10

اللہ تعالیٰ پر صحیح معنوں میں توکّل کرو اور کبر و غرور کی بجائے عجز و انکسار کو اپنا شعار بناؤ

(فرمودہ 12 مارچ 1943ء)

تشہد، تعوّذ اور سورۃ فاتحہ کی تلاوت کے بعد فرمایا:

"سورۂ فاتحہ وہ دعا ہے جسے ہر مسلمان (جو اپنے آپ کو اسلامی تعلیم پر عمل پیرا کرنے کی کوشش کرتا ہے) دن میں 30، 40 مرتبہ ہر روز پڑھتا ہے۔ کم سے کم فرائض اور سنن مؤکدہ (یعنی وہ سنتیں جو رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم ضرور پڑھا کرتے تھے اور اپنے متبعین کو پڑھنے کی تاکید فرمایا کرتے تھے) ملا کر ایک مسلمان دن میں 30، 35 مرتبہ سورۂ فاتحہ پڑھتا ہے۔ یعنی چار رکعتیں فجر کی اور 12 ظہر کی ملا کر 16 ہوئیں۔ پھر 4 عصر کی ملا کر بیس اور 5 مغرب اور 9 عشاء کی یہ کُل 34 رکعتیں ہوئیں۔ لیکن اگر ظہر کی سنتیں بجائے چار چار کے دو دو پڑھی جائیں تو چار رکعتیں کم ہو کر 30 ہو جائیں گی۔ اس طرح گویا 30 سے 34 دفعہ ایک مسلمان کے لئے لازمی ہے کہ وہ سورۂ فاتحہ پڑھے۔ اور اگر فرائض اور سنن کے علاوہ وہ نوافل بھی پڑھے تو پھر جیسا موقع ہو گا اس تعداد میں زیادتی ہو جائے گی۔ مثلاً رمضان میں تراویح پڑھی جاتی ہے۔ اگر انسان آٹھ تراویح پڑھے یا اٹھارہ تراویح پڑھے تو پھر 38 سے 48 دفعہ تک سورۂ فاتحہ پڑھے گا۔

غرض جس نے نماز پڑھی اس کو 48 دفعہ یا کم از کم 30 دفعہ سورۂ فاتحہ پڑھنی پڑتی ہے۔ اور اس کے بغیر نماز ہوتی ہی نہیں۔ سوائے اس کے کہ اسے سورۂ فاتحہ نہ آتی ہو۔ مگر ایک مسلمان کے لئے یہ کہنا بھی درست نہیں کہ مجھے سورۂ فاتحہ نہیں آتی۔ ہر ایک کا فرض ہے کہ وہ سیکھے۔ ہاں اگر یہ حالت ہو کہ اسے آہی نہ سکتی ہو تو علیحدہ بات ہے۔ مثلاً ایک شخص بڈھا ہو اور اس کی عقل ماری گئی ہو یا آخری عمر میں وہ اسلام لایا ہو یا پاگل ہو یا بچہ ہو تو ایسے معذوروں کو الگ کر کے باقی سب کے لئے لازمی ہے کہ 30 سے لے کر 48 مرتبہ تک سورۂ فاتحہ کو نماز میں دہرائے۔

اس سورۃ میں ایک مومن خدا کے حضور کھڑے ہو کر علاوہ اور باتوں کے دو باتیں اپنی طرف سے کہتا ہے۔ یہ دو باتیں اس کے دو دعوے ہوتے ہیں جو خدا تعالیٰ کے حضور کھڑے ہو کر کرتا ہے۔ باقی باتیں دعوے نہیں ہوتے بلکہ یا تو وہ حقائق بیان کرتا ہے مثلاً کہتا ہے اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ 1 سب تعریف اللہ کے لئے ہے جو رَبُّ الْعٰلَمِيْن ہے۔ اس میں وہ خدا تعالیٰ کے متعلق ایک واقعہ بیان کرتا ہے۔ اس کا اپنا کوئی کام نہیں۔ اسی طرح الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ 2 یہ سب واقعات اور حقائق ہیں۔ اور یا پھر وہ خدا تعالیٰ سے مانگتا ہے۔ مثلاً کہتا ہے اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيْمَ 3 اے خدا ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔ یہ بھی اس کا اپنا کام نہیں۔ وہ اپنی طرف صرف دو دعوے منسوب کرتا ہے اور کہتا ہے اِيَّاكَ نَعْبُدُ وَ اِيَّاكَ نَسْتَعِيْنُ 4 اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد مانگتے ہیں۔ ان دو دعووں کے سوا سورۂ فاتحہ میں انسان کی طرف سے اور کوئی دعویٰ نہیں۔ مثلاً خدا تعالیٰ کی ربوبیت کا اقرار ہے۔ سو انسان کہے نہ کہے اللہ تعریف والا ہے۔ وہ کہے نہ کہے اللہ رحمٰن ہے۔ وہ کہے نہ کہے اللہ رحیم ہے۔ وہ کہے نہ کے اللہ مٰلِكِ يَوْمِ الدِّيْنِ ہے۔ اس کے نہ کہنے سے خدا کی ربوبیت میں کوئی فرق نہیں آتا۔ وہ اگر نہ کہے کہ تُو رحمٰن ہے تو اس کی رحمانیت میں کیا فرق پڑ جائے گا۔ خدا تعالیٰ کے بادل اسی طرح برسیں گے جس طرح پہلے برستے تھے۔ اس کا سورج بدستور چڑھتا رہے گا۔ اس کی ہوا بغیر روک کے چلتی رہے گی۔ انسان کے ہاتھ جن سے پکڑتا ہے، اس کے پاؤں جن سے وہ چلتا ہے، اس کے کان جن سے وہ سنتا ہے، اس کی آنکھیں

جن سے وہ دیکھتا ہے۔ غرضیکہ باقی سب اعضاء جن سے وہ کام لیتا ہے وہ اس نے کہیں سے خریدے نہیں بلکہ مفت ملے ہیں۔ اگر کوئی اس سے پوچھے کہ ایک مٹی کا ڈھکنا زیادہ قیمتی ہے یا ہاتھ تو کوئی پاگل ہی ہو گا جو یہ کہے گا کہ مٹی کے ڈھکنے کی قیمت زیادہ ہے۔ یقیناً ہر عقلمند یہی کہے گا کہ ہاتھ زیادہ قیمتی ہے۔ گورنمنٹ کے قانون میں بھی ایسا ہی ہے کہ اگر کوئی شخص کسی کا ہاتھ کاٹ لے یا پاؤں یا ناک وغیرہ کاٹ لے تو گورنمنٹ اس کاٹنے والے کو قید کرتی ہے۔ اور اگر اتفاقی حادثہ سے مثلاً موٹر کی ٹھوکر وغیرہ سے کسی عضو کو نقصان پہنچ جائے تو جیسی اس مجروح کی حیثیت ہوتی ہے اس کے حسب حالات نقصان پہنچانے والے سے ہرجانہ دلایا جاتا ہے۔ بہرحال گورنمنٹ کے نزدیک بھی ہاتھ اور پیر کی قیمتیں ہیں جن کی وجہ سے بعض حالات میں زخمی کرنے والے کو قید میں ڈالا جاتا ہے اور اتفاقی حادثہ میں مجروح کی حیثیت کے مطابق بعض دفعہ ہزار بعض دفعہ دو ہزار بلکہ پچاس پچاس ہزار روپیہ تک ہرجانہ دلایا جاتا ہے۔ مثلاً اگر ایک ڈاکٹر ہو جس کی آمد ہزار بارہ سو روپیہ ماہوار ہو اور کوئی شخص اتفاقی حادثہ سے اس کا ہاتھ یا پاؤں توڑ دے تو اس ڈاکٹر کو ہزار دو ہزار روپے حرجانہ دلانا کافی نہیں ہو گا بلکہ اس کے گزارہ کے مطابق دلایا جائے گا۔ عدالت کہے گی کہ جبکہ یہ شخص بے کار ہو گیا تو اب یہ اپنے بیوی بچوں کو کس طرح کھلائے گا۔ اس لئے ایسی صورت میں وہ پچاس پچاس ہزار بلکہ لاکھ لاکھ روپے تک ہرجانہ دلا دیتی ہے۔ اب دیکھو کہ اس قدر قیمتی ہاتھ ہے جو اللہ تعالیٰ نے انسان کو مفت دیا ہے اس کے لئے اس پر کوئی قیمت خرچ نہیں کی۔ وہ ایسا قیمتی ہے کہ اسے نقصان پہنچ جائے تو گورنمنٹیں بھی کسی کو ایک ہزار کسی کو دو ہزار کسی کو دس ہزار کسی کو بیس ہزار کسی کو پچاس ہزار اور کسی کو لاکھ لاکھ روپے تک دلا دیتی ہیں۔ یعنی اگر اس کے مٹی کے ڈھکنے کو کوئی توڑ ڈالے اور پھر مالک جا کر عدالت میں دعویٰ کرے کہ فلاں شخص نے میرا مٹی کا ڈھکنا توڑ دیا ہے تو اول تو کوئی وکیل ایسے مقدمہ کو لینے کے لئے تیار نہ ہو گا۔ اور اگر کوئی لالچ کے مارے لے بھی لے تو عدالت اس کی بیوقوفی پر مقدمہ خارج کر دے گی۔ غرض وہ ہاتھ جس کی قیمت ہزار دو ہزار یا لاکھ مقرر کی گئی تھی اس پر تم نے ایک پیسہ بھی خرچ نہیں کیا وہ تمہیں مفت ملا ہے مگر وہ ڈھکنا جس کے توڑے جانے پر پولیس کا چالان تو کجا تم خود بھی جا کر عدالت میں دعویٰ کرو تو

عدالت توجہ کے قابل نہیں سمجھے گی۔ وہ تمہیں مفت نہیں مل سکتا۔ وہ تم خریدنا چاہو تو پیسے دے کر ہی ملے مگر اب یہ تمہارے ہاتھ، پاؤں، ناک، کان وغیرہ خدا کی رحمانیت کا ثبوت نہیں تو اَور کیا ہے۔ اس ثبوت کی موجودگی میں اگر بندہ خدا کو اَلرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ نہ بھی کہے تب بھی کوئی حرج نہیں بلکہ اگر ساری دنیا کہنے لگ جائے کہ رحمٰن کوئی نہیں تو اس کا یہ قول ہی خدا کی رحمانیت کی دلیل ہو گا کیونکہ جب کوئی شخص کہہ رہا ہو گا کہ کوئی خدا نہیں تو یہ کس زبان سے بول رہا ہو گا۔ یہ زبان اس نے کہاں سے لی ہو گی۔ یقیناً خدا نے اسے مفت دی ہے اور رحمٰن مفت دینے والے کو ہی کہتے ہیں۔ پس اس کا تو خدا کو گالیاں دینا بھی خدا کی رحمانیت کا ثبوت ہو گا۔

پھر بندہ کہتا ہے خدا مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ ہے۔ اب اگر یہ کہتا تب بھی خدا مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ تھا اگر یہ نہ کہتا تب بھی وہ مٰلِكِ يَوۡمِ الدِّيۡنِ تھا۔ اس کے بعد کہتا ہے اِيَّاكَ نَعۡبُدُ وَاِيَّاكَ نَسۡتَعِيۡنُ اے خدا ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھی سے مدد چاہتے ہیں۔ پس ساری سورۃ میں یہی دو فقرے اس نے اپنی طرف منسوب کئے ہیں۔ ان سے پہلے وہ صداقت کا اظہار کرتا ہے اور ان کے بعد خدا سے کچھ مانگتا ہے کہ اے خدا مجھے کچھ دے دے۔ لیکن درمیان میں وہ دو دعوے کرتا ہے۔ ایک تو یہ دعویٰ کرتا ہے کہ مَیں خدا کا عبد ہوں اور کسی کا عبد نہیں لیکن اگر اس کا عمل دیکھو تو کتنے ہیں جو اس دعوے پر سچے طور پر عمل کرتے ہیں۔ ہزاروں ہیں جو ایک طرف اِيَّاكَ نَعۡبُدُ کہتے ہیں اور دوسری طرف چوریاں کرتے ہیں، جھوٹ بولتے ہیں، غیبت کرتے ہیں اور ذرا ہاتھ میں طاقت آئے تو دوسرے کو کچھ چیز ہی نہیں سمجھتے۔ وہ اپنے کمزور بھائی کو کہتا ہے کہ مَیں تھپڑ مار کر تیرے سارے دانت توڑ ڈالوں گا۔ وہ نادان اتنا بھی نہیں جانتا کہ یہ زور اس کے ہاتھ میں کہاں سے آیا۔ دولت آ جائے تو وہ لوگوں کو کہتا ہے کہ مَیں تمہیں یوں ذلیل کر دوں گا، مَیں تمہیں سیدھا کر دوں گا۔ چنانچہ دیکھ لو نبیوں کے مخالف کس گھمنڈ کے ساتھ نبیوں کو چیلنج دیتے تھے کہ باز آ جاؤ ورنہ ہم تم کو اپنی زمین سے نکال دیں گے۔ ہمارے ملک میں بھی زمیندار اپنے کمزور ہمسایہ کو کہتے ہیں کہ ہم تمہارا پاخانہ بند کر دیں گے۔ دیہات میں ٹٹیوں کا یا ان کی صفائی کرنے والوں کا انتظام تو ہوتا نہیں کھیتوں میں

جانا ہوتا ہے تو وہ زمیندار ذرا سی بات پر اتنا اُچھلتا ہے کہ گویا زمین و آسمان کی طاقت اسی کے پاس ہے۔ خدا تعالیٰ کو تو حقیقی حکومت حاصل ہے مگر اس کے باوجود وہ بندوں پر حکومت نہیں جتاتا بلکہ ناز اٹھا رہا ہے اور محبت کے ساتھ اپنے بندوں سے احسان کر رہا ہے۔ کہیں بندہ روٹھا ہوًا ہے اور خدا اس کو منا رہا ہے۔

حضرت سید عبد القادر صاحب جیلانیؒ لکھتے ہیں کہ لوگ مجھ پر اعتراض کرتے ہیں کہ مَیں اعلیٰ کپڑے پہنتا ہوں (کیونکہ ان کے متعلق آتا ہے کہ وہ بہت قیمتی کپڑا پہنتے تھے جو آجکل کی قیمت کے لحاظ سے 1/4 2 ہزار روپیہ فی گز کا کپڑا بنتا ہے) اسی طرح شاہ ولی اللہ صاحب (جو دہلی کے ایک بہت بڑے بزرگ تھے) ان کے متعلق بھی آتا ہے کہ ان کا لباس نہایت اعلیٰ ہوتا تھا اور وہ روزانہ نیا جوڑا پہنتے تھے۔ جب اس پر لوگوں نے اعتراض کیا کہ یہ قیمتی کپڑے پہنتا اور قیمتی کھانے کھاتا ہے تو انہوں نے جواب دیا کہ مَیں تو کبھی کپڑا نہیں پہنتا جب تک خدا مجھے نہیں کہتا کہ اے عبد القادر! تجھے میری ذات کی قسم تُو کپڑا پہن۔ اور مَیں کوئی کھانا نہیں کھاتا جب تک مجھے خدا تعالیٰ نہیں کہتا کہ اے عبد القادر! تجھے میری ذات کی قسم تُو یہ کھانا کھا۔

اب دیکھو کہ کہاں خدا تعالیٰ کی ذات اور کہاں عبد القادر جیلانیؒ۔ دونوں میں اتنی بھی تو نسبت نہیں جتنی ایک انسان اور چیونٹی میں ہوتی ہے۔ مگر اللہ تعالیٰ اپنی محبت کی وجہ سے بندے کی منتیں کر کے اسے مناتا ہے۔ خدا تعالیٰ کا یہ سلوک بندے کو شرم دلانے کے لئے ہے کہ خدا تعالیٰ تو عرش پر ہو کر یوں منتیں کرتا ہے مگر یہ اتنا چھوٹا ہو کر کبر و غرور میں آتا ہے اور کہتا ہے کہ مَیں یوں کر دوں گا اور مَیں وُوں کر دوں گا۔

مجھے یہاں کے کارکنوں کے متعلق رپورٹیں پہنچتی رہتی ہیں جن کی تحقیق کرنے سے پتہ لگتا ہے کہ گو ان میں سے بعض جھوٹی رپورٹیں بھی ہوتی ہیں مگر بعض دفعہ سچی بھی ہوتی ہیں۔ اور وہ رپورٹیں اس قسم کی ہوتی ہیں کہ ایک افسر اپنے ماتحتوں سے کہتا ہے کہ میں تیرا پانی بند کر دوں گا۔ میں تیری فصل سکھا دوں گا۔ حالانکہ وہ صرف کارندہ ہوتا ہے، مالک بھی نہیں ہوتا۔ مگر پھر بھی وہ اس قدر دعوے کرتا ہے کہ حیرت آتی ہے۔ گویا ادھر تو وہ اِيَّاكَ نَعْبُدُ میں خدا تعالیٰ کے سامنے کہتا ہے کہ مَیں کچھ بھی نہیں، مَیں تو آپ کا غلام ہوں، مَیں تو ذلیل ہوں،

میرا کوئی ٹھکانا نہیں مگر نماز سے نکل کر ایک اپنے جیسے بندے کو جس کی ویسی ہی آنکھیں ہیں جیسی اس کی ہیں۔ ویسی ہی ناک ہے جیسی اس کی، ویسے ہی ہاتھ اور پاؤں ہیں جیسے اس کے۔ کہتا ہے کہ مَیں تجھے نکال دوں گا، میں تجھے جوتوں سے سیدھا کروں گا، مَیں تجھے بتا دوں گا کہ مَیں کون ہوں۔ تعجب ہے کہ پچاس دفعہ خدا تعالیٰ کے سامنے اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہنے والا کہتا ہے کہ مَیں وہ چیز ہوں اور مَیں یہ چیز ہوں اور اتنے بڑے دعوے کرتا ہے۔ مسجد میں تو وہ کہتا ہے کہ خدا ہی سب کچھ ہے مگر باہر آکر آپ ہی رب بن جاتا ہے۔ اس کے معنے یہ ہیں کہ یہ شخص اتنا جھوٹ بولنے والا ہے کہ جس کی مثال ہی نہیں۔ اور پچاس دفعہ دعوے کرکے جھوٹ بول جاتا ہے۔ ایسے شخص کے قول کی کیا قیمت رہ جاتی ہے جو ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بلکہ پچاس دفعہ کہتا ہے کہ مَیں تیرا بندہ ہوں، مَیں نہایت ذلیل غلام ہوں تُو ہی سب سے بڑا ہے مگر باہر نکل کر کہتا ہے کہ مَیں ہی سب کچھ ہوں۔ بھلا ایسے شخص کے دل میں ایمان پیدا ہی کیسے ہو سکتا ہے جو باوجود کمزور ہونے کے دعوے کرتا ہے کہ مَیں یوں کر دوں گا اور مَیں وُوں کر دوں گا۔ اس کے مقابلہ میں خدا کو سب طاقتیں حاصل ہیں مگر پھر بھی وہ ایسا نہیں کہتا بلکہ اپنے بندوں پر رحم کرتا ہے۔

بعض منافق لوگ جب جماعت سے الگ ہوتے ہیں تو بلند بانگ دعاوی کرتے ہیں۔ کہتے ہیں ہم یوں کر دیں گے، ہم ایسا کر دیں گے لیکن مَیں نے باوجود جماعت کا اِمام ہونے کے کبھی نہیں کہا کہ مَیں ایسا کر دوں گا بلکہ یہی کہتا رہا ہوں کہ جو کچھ خدا کی مرضی ہوگی وہی ہوگا۔ انسان کو تو چاہیئے کہ اگر اس کے دل میں ایسا گندہ خیال آئے تو بجائے دوسرے کو مارنے کے کہے کہ مَیں اس خیال کو کچل دوں گا اور اپنے دل کو سنوارنے کی کوشش کرے۔ اِیَّاکَ نَعۡبُدُ کہنے والا اگر غرور اور تکبر سے کام لے تو میری سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ کس قسم کی غلامی ہے۔

دوسری بات جو وہ بطور دعویٰ کے پیش کرتا ہے اِیَّاکَ نَسۡتَعِیۡنُ ہے کہ اے خدا مَیں نے تجھ ہی سے لینا ہے اور کسی بندے سے نہیں مانگنا۔ مگر عملاً ہم دیکھتے ہیں کہ جہاں ایک بندہ کہتا ہے کہ مَیں ذلیل ہوں، مَیں حضور کا غلام ہوں۔ ادھر سجدے سے سر اٹھاتے ہی لاٹھی لے کر کھڑا ہو جاتا ہے۔ وہاں یہ دوسرا شخص اسی کی شکایت لے کر خدا کے حضور میں کھڑا ہوتا ہے

اور کہتا ہے کہ خدایا یہ جو تیرا بندہ بنتا تھا بالکل جھوٹ کہتا تھا۔ تیرے سامنے تو کہتا تھا کہ مَیں نے کسی پر ظلم نہیں کرنا، مَیں نے کسی کا حق نہیں دبانا مگر باہر جا کر ڈنڈا لے کر کھڑا ہو جاتا ہے اور ہم پر ظلم کرتا ہے اور ہمارے مالوں کو ناجائز طور پر دباتا ہے۔ یہ تو تیرے سامنے جھوٹ بول گیا مگر ہم سچ کہتے ہیں کہ ہم تجھ سے ہی مدد مانگیں گے اور کسی کے سامنے ہاتھ نہیں پھیلائیں گے۔ لیکن ظالم تو یہ کہہ کر کہ مَیں تیرا غلام ہوں، ذلیل ہوں، کسی کو کیا کہہ سکتا ہوں، جھوٹ بول گیا اور یہ مظلوم بن کر جھوٹ بول گیا کیونکہ ادھر تو خدا تعالیٰ کے سامنے کہا کہ مَیں نے تجھ سے ہی مانگنا ہے اور پھر سلام پھیرتے ہی بندوں کے آگے ہاتھ جوڑنے شروع کر دیتا ہے کہ حضور ہمارے مائی باپ ہیں، حضور ہی مدد کر سکتے ہیں۔ اگر اس کا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنا صحیح ہے تو پھر یہ گھبراتا کیوں ہے۔ اگر واقع میں خدا ہے تو وہ ضرور اس کی مدد کرے گا۔ بندوں سے کس لئے مدد مانگتا پھرتا ہے۔ بہرحال اس کا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہنا تبھی صحیح ہو سکتا ہے جب دوسرے بندوں سے ذلت آمیز مدد نہ مانگے۔ ہاں تعاون والی مدد مانگے تو یہ درست ہو گا۔ یہ نہ ہو کہ انسانی کوشش پر ہی سارا انحصار رکھے۔ ایک شخص جب کسی سے سفارش کرانا چاہتا ہے اور اسی سفارش پر سارا انحصار رکھتا ہے تو اس کی یہی وجہ ہوتی ہے کہ وہ سمجھتا ہے کہ اگر اس کی سفارش نہ ہوئی تو وہ کہیں کا بھی نہ رہے گا۔ حالانکہ جب ایسا شخص نماز میں کہتا ہے کہ مجھے کسی کی پرواہ نہیں تو فارغ ہو کر کیوں ہر دروازے پر ماتھا رگڑتا ہے اور منتیں کرتا پھرتا ہے کہ مجھ پر فلاں مصیبت ہے میری مدد کرو۔ غرض ایک طرف تو ظالم کہتا ہے کہ میرے جیسا ذلیل کوئی نہیں اور میرے جیسا غلام کوئی نہیں لیکن نکلتے ہی یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جیسا نمرود کوئی نہیں۔ اس جیسا شدّاد کوئی نہیں۔ دوسری طرف یہ مظلوم کہتا ہے کہ مَیں نے تو کسی سے مدد نہیں مانگی تجھ سے ہی مانگنی ہے۔ اور پھر نکلتے ہی ہر ایک کے آگے ناک گھستا ہے۔ حیرت آتی ہے کہ کس طرح دونوں فریق جھوٹ بولتے چلے جاتے ہیں۔ پہلا اِیَّاکَ نَعْبُدُ کہتا ہے اور ہر ایک پر ظلم کرنے پر تُلا رہتا ہے اور دوسرا اِیَّاکَ نَسْتَعِیْنُ کہہ کر ہر ایک سے مانگتا پھرتا ہے۔ ایک دفعہ نہیں دو دفعہ نہیں بلکہ روزانہ پچاس دفعہ خدا کے سامنے کھڑے ہو کر عرض کرتا ہے کہ مَیں تیرا بندہ ہوں، میں تیرا غلام ہوں، مجھ سے ذلیل اور کوئی نہیں لیکن فارغ ہوتے ہی فرعون سے

بڑا بنتا ہے۔ اور دوسرا کہتا ہے کہ مجھے ان فرعونوں کی پرواہ نہیں۔ مَیں نے تجھ سے ہی مانگنا ہے۔ تیرے ہوتے ہوئے مجھے کسی اور سے کیا ڈر ہو سکتا ہے۔ مگر سلام پھیرنے کے بعد ہر ڈیوڑھی پر جا کر ناک رگڑتا ہے۔ حالانکہ نماز کے اندر کہہ رہا تھا کہ مَیں نے تو اے خدا تجھ سے ہی مانگنا ہے۔ مَیں نے کسی اور کے پاس جانا ہی نہیں، نہ مجھے کسی کی پرواہ ہے۔ ایک دفعہ تیرے ساتھ جو تعلق جوڑ لیا تو بھلا اب مَیں کسی کو کیا جانوں اور ادھر مسجد سے نکلتے ہی آوازیں دینی شروع کرتا ہے کہ اے چوہدری جی تسیں ای میری مدد کرو۔ اے مولوی جی تسیں ہی میری کہانی سن لو۔ غرض ہر جگہ سے مدد مانگتا پھرتا ہے اور یوں معلوم ہوتا ہے کہ اس جیسا ذلیل دنیا میں کوئی نہیں۔

پھر دوسری اذان ہوتی ہے۔ یہ پھر مسجد میں آتا ہے اور خدا کے آگے کھڑے ہو کر عرض کرتا ہے کہ مَیں نے کسی سے نہیں مانگنا۔ اگر مانگنا ہے تو تجھ سے۔ تیرے سوا بھلا مَیں جا کہاں سکتا ہوں۔ پھر نماز سے علیحدہ ہوتا ہے تو تم اس نالائق کو دیکھتے ہو کہ کس طرح ہر دروازے پر جا کر مانگتا پھرتا ہے۔ اگر اس کے اندر ذرا بھی وفا ہوتی، اگر وہ واقع میں سمجھتا کہ اس کا خدا موجود ہے تو اسے اس طرح مانگنے کی کیا ضرورت تھی۔ ایک کمزور ایمان والے کا مانگنا جس کے اندر طاقت نہیں اَور رنگ رکھتا ہے۔ وہ تو نر گدا کی طرح ہوتا ہے کہ اگر اسے مل جائے تو خیر ورنہ خدا پر توکل کر کے آگے چلا جاتا ہے۔ مگر یہ بالکل جھوٹ بولتا ہے اور خدا سے مانگنے کا اقرار کر کے ہر ایک کے سامنے لجاجت کرتا ہے اور ہر بندے کو خدا سمجھتا ہے۔ کیا یہ عجیب تماشہ نہیں کہ ظالم اور مظلوم دونوں جھوٹ سے کام لے رہے ہیں۔ ایک خدا کے سامنے جا کر کہتا ہے کہ میرے جیسا ذلیل دنیا میں کوئی نہیں۔ میرے جیسا نکما دنیا میں کوئی نہیں اور جب باہر نکلتا ہے تو طرح طرح کے ظلم و ستم سے کام لینا شروع کر دیتا ہے۔ دوسرا کہتا ہے مجھے کسی ظالم کی کیا پرواہ ہے مَیں کب کسی سے ڈرتا ہوں۔ جب تیرے جیسا رحیم و کریم خدا میرے سامنے ہو تو مجھے کس کا خوف ہو سکتا ہے۔ بھلا مَیں کسی سے ڈرتا ہوں؟ مجھے پتہ ہے کہ جو مجھے مارنا چاہے گا تُو اسے مار دے گا اور جو مجھے ذلیل کرنا چاہے گا تُو اسے ذلیل کرے گا۔ مَیں تیرا دروازہ چھوڑ کر کہاں جا سکتا ہوں؟ مگر جس طرح پہلا شخص نماز کے بعد ظلم کو شیوہ بنا لیتا ہے

اسی طرح یہ دوسرا شخص پانچ مرتبہ خدا سے مانگنے کا اقرار کر کے جاتا ہے اور پانچ پہر لوگوں سے مانگتا پھرتا ہے۔ ایسا اقرار کرنے والے پر خدا کا فضل نازل کس طرح ہو سکتا ہے۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک بزرگ کا واقعہ سنایا کرتے تھے۔ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کے رزق کے لئے ایک ذریعہ مقرر کیا ہوتا ہے۔ یہ نہیں ہوتا کہ براہ راست فرشتے آسمان سے لا کر اس کے سامنے رکھ دیں بلکہ اللہ تعالیٰ کسی بندے کے دل میں ڈال دیتا ہے کہ فلاں بندے کو ضرورت ہے اسے فلاں چیز دے دو یا خواب میں دکھا دیتا ہے کہ فلاں جگہ سے تیری ضرورت پوری ہو سکتی ہے۔ یا کہیں اچھی بارش برسا دیتا ہے اور فصلیں اچھی ہو جاتی ہیں۔ غرض ہزاروں ذریعے رزق پہنچانے کے اس نے مقرر کئے ہیں لیکن خدا تعالیٰ بعض دفعہ کسی بندے کو کہہ دیتا ہے کہ تُو تلاش بھی نہ کر بلکہ ایک جگہ بیٹھ جا ہم تیرے لئے رزق پہنچا دیں گے۔ چنانچہ وہ بیٹھ جاتا ہے اور پھر خدا تعالیٰ بندوں کے دل میں الہام کرتا ہے کہ فلاں شخص کے لئے کھانا لے جاؤ۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ایک بندے کو کہا کہ تُو پہاڑ کی چوٹی پر بیٹھ جا اور اسے وہاں کئی سال تک اللہ تعالیٰ کھانا پہنچاتا رہا۔ آخر ایک دن اللہ تعالیٰ نے چاہا کہ اس بندے کو دیکھا جائے کہ اس کا ایمان کیسا ہے؟ چنانچہ اس دن لوگوں کو اس کے متعلق الہام کرنا بند کر دیا۔ ادھر اس بزرگ کو فاقہ آنا شروع ہؤا۔ ایک وقت کا فاقہ آیا دوسرے وقت کا آیا، پھر تیسرے وقت کا آیا۔ آخر اس سے بھوک برداشت نہ ہوئی اس نے سوچا کہ اس طرح بیٹھ رہنا تو ٹھیک نہیں شہر میں جا کر کسی سے کھانا لانا چاہیئے۔ قریب ہی شہر تھا وہاں گئے اور ایک امیر کے دروازے پر جا کر کھانا مانگا۔ جہاں سے انہیں تین روٹیاں اور کچھ سالن ملا۔ جب وہ لے کر واپس چلے تو اس امیر کے دروازے پر ایک کتا بیٹھا تھا۔ اس کتے کے دل پر اللہ تعالیٰ نے الہام نازل کیا۔ وہ کُتا ان کے پیچھے چل پڑا۔ کچھ دور جا کر ان کو خیال آیا کہ یہ کتا جو میرے پیچھے آ رہا ہے شاید بھوکا ہے یہ سوچ کر انہوں نے ایک روٹی اور تیسرا حصہ سالن کا اس کے آگے ڈال دیا۔ کُتا جلدی سے وہ روٹی اور سالن کھا کر ان کے پیچھے چل پڑا۔ تھوڑی دور جا کر انہوں نے یہ خیال کر کے کہ اس کُتے کا حق زیادہ ہے دوسری روٹی اور ایک حصہ سالن اور ڈال دیا۔ کُتا وہ بھی جھٹ پٹ کھا کر پیچھے ہو لیا۔ اب ان کے دل میں خیال آیا کہ کیسا ڈھیٹ

جانور ہے۔ انسان کی عادت ہے کہ وہ غصے میں آ کر جانوروں سے باتیں کرنی شروع کر دیتا ہے۔ تم نے کئی دفعہ دیکھا ہو گا کہ کسان چلتے ہوئے بیلوں سے بھی باتیں کرتا جاتا ہے اور اسے کہتا جاتا ہے کہ تجھے کیا ہو گیا ہے حالانکہ وہ بیل سنتا نہیں، سمجھتا نہیں۔ اسی طرح غصے میں آ کر انہوں نے کُتے سے کہا کہ "بے حیا کہیں کا دو روٹیاں ڈال دیں اب بھی جانے کا نام نہیں لیتا۔" اُدھر انہوں نے یہ کہا اور معاً اللہ تعالیٰ نے ان پر کشف کی حالت طاری کی اور وہ کُتا بولا (کشف میں جانور بھی بولا کرتے ہیں اور دیواریں بھی بولا کرتی ہیں) کہ بے حیا تم ہو یا مَیں ہوں؟ مجھے اس امیر کے دروازے پر سات سات وقت کا فاقہ آیا ہے مگر اس کے باوجود مَیں اس دروازے سے کہیں نہیں گیا لیکن خدا تم کو اتنی مدت سے وہیں بیٹھے کھانا پہنچاتا رہا اور تم تین فاقوں سے گھبرا کر مانگنے آ گئے ہو۔ اب خود ہی سوچو کہ بے حیا تم ہو کہ مَیں ہوں۔ کُتے نے یہ کہا اور ادھر ان کی کشفی حالت جاتی رہی۔ تب انہیں سمجھ آ گئی اور انہوں نے آخری روٹی اور سالن بھی وہیں پھینکا اور اپنے مقام پر واپس آ گئے۔ اللہ تعالیٰ نے تو امتحان لینا تھا اور ان پر ظاہر کرنا تھا کہ تمہارا ایمان ابھی مضبوط نہیں ہؤا۔ گھر پہنچے تو دیکھا کہ پانچ چھ آدمی کھانا لئے کھڑے ہیں۔ ایک معذرت کر رہا تھا کہ حضور غلطی ہوئی، معاف کیجئے مجھے یاد نہیں رہا تھا۔ دوسرا یہ کہہ رہا تھا کہ حضور میری بیوی بیمار تھی معاف کریں آپ کو تکلیف ہوئی۔ غرض ہر ایک معافی مانگ رہا تھا اور کھانا پیش کر رہا تھا۔ تو خدا تعالیٰ کے ایسے بھی بندے ہوتے ہیں کہ انہیں اسباب سے کام لینے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ اللہ تعالیٰ انہیں خود کہتا ہے کہ ایک جگہ بیٹھ جاؤ، ہم تمہارا رزق تمہیں خود پہنچائیں گے۔ اور کبھی اللہ تعالیٰ اتنا رزق دیتا ہے کہ سید عبد القادر جیلانیؒ کی طرح ہزار ہزار روپے گز والا کپڑا پہننے کا حکم دیتا ہے اور کبھی اتنی تنگی ہوتی ہے کہ رسول کریم ﷺ اور صحابہ کرام رِضْوَانُ اللّٰہِ عَلَیْہِمْ اَجْمَعِیْنَ کی طرح وہ پیٹ پر پتھر باندھے پھرتا ہے۔

غرض کسی کے ساتھ ایسا معاملہ کرتا ہے کہ تھوڑا تھوڑا رزق دیتا ہے اور کسی کو بغیر حساب کے دیتا ہے جیسا کہ حضرت سلیمان اور حضرت داؤد علیہما السلام کو دیا۔ بہر حال یہ حکم ہوتا ہے کہ بندوں کے پاس نہ جائیں۔ یہ جائز ہوتا ہے کہ وہ کوشش کرے، کھیتی باڑی کرے لیکن اگر وہ اپنی حالت کو یہاں تک گرائے کہ مانگنے کے پیچھے پڑا رہے اور ذرا سی تکلیف پر

بندوں کے آگے ہاتھ جوڑنا شروع کر دے تو یہ کسی طرح جائز نہیں ہوتا۔ اسی طرح یہ بھی جائز ہے کہ ایک مظلوم ظلم کی شکایت کرے مگر یہ کہ ہر ایک کے ساتھ اسی طرح چمٹ جائے جس طرح جونک چمٹتی ہے اور یہ خیال کرے کہ اگر میری مدد نہ کی تو مَیں مر گیا۔ کسی طرح درست نہیں۔ یہ تو پانچ وقت کہتا ہے کہ اے خدا! مَیں نے تیرے سوا کسی سے نہیں مانگنا۔ اور پھر ہر دروازہ سے چمٹا نظر آتا ہے۔ اگر یہ خدا سے مانگتا تو کیا خدا اسے چھوڑ دیتا؟ ہم تو معمولی معمولی باتوں میں دیکھتے ہیں کہ بعض دفعہ خدا تعالیٰ ایسے طور پر دشمن سے بدلہ لے لیتا ہے کہ حیرت آتی ہے۔ ایک شخص تم کو مار کر جاتا ہے یا تمہارے بیٹے کو مارتا ہے اور گھر جاتا ہے تو اس کے بیٹے کو قولنج ہو جاتا ہے۔ ایسے بیسیوں واقعات ہمارے سامنے موجود ہیں۔ مگر خدا تعالیٰ کا منشاء ہے کہ جب بدلہ لینے لگو تو میرے بندوں کے متعلق رحم کا خیال رکھو۔ لیکن کئی لوگ جب بدلہ لینا چاہتے ہیں تو بددعا کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس کا بیڑا غرق ہو تو اچھا ہے۔ بلکہ بعض تو مجھے خط لکھتے ہیں کہ فلاں نے ہمیں دکھ دیا ہے دعا کریں کہ اس کا بیڑا غرق ہو۔ مَیں انہیں لکھتا ہوں کہ تمہیں تو اس سے غرض ہے کہ تمہارا فائدہ ہو جائے۔ اس بات سے کیا فائدہ کہ دوسرے کا بیڑا غرق ہو مگر وہ اس پر ضرور مصر رہتے ہیں کہ ہم تو تب خوش ہوں گے جب دشمن کا بیڑا غرق ہو۔

حضرت مسیح موعود علیہ السلام ایک کُبڑی کی مثال سنایا کرتے تھے کہ اس سے کسی نے پوچھا کہ آیا تُو یہ چاہتی ہے کہ تیری کمر سیدھی ہو جائے یا باقی لوگ بھی کُبڑے ہو جائیں۔ تو جیسا کہ بعض طبیعتیں ضدی ہوتی ہیں اس نے آگے سے یہ جواب دیا کہ مدتیں گزر گئیں مَیں کُبڑی ہی رہی اور لوگ میرے کُبڑے پَن پر ہنستے اور مذاق کرتے رہے۔ اب یہ تو سیدھا ہونے سے رہا۔ مزہ تو جب ہے کہ یہ لوگ بھی کُبڑے ہوں اور مَیں بھی ان پر ہنس کر جی ٹھنڈا کروں۔

اسی طرح بعض حاسد طبیعتیں ہوتی ہیں کہ انہیں اس سے غرض نہیں ہوتی کہ ان کی تکلیف دور ہو جائے بلکہ وہ یہ چاہتے ہیں کہ دوسرا تکلیف میں مبتلا ہو جائے حالانکہ اگر نادان سوچیں تو انسان سے ہزاروں غلطیاں روزانہ ہوتی ہیں اور اس کے دل میں بُغض اور کینہ کپٹ نہ ہو

توہزاروں لاکھوں گناہ جو یہ روز کرتا ہے مثلاً کبھی جھوٹ بولتا ہے، کبھی بدظنی کرتا ہے، کبھی کسی سے درشت کلامی کرتا ہے، کبھی کسی سے ہنس کر نہیں بولتا، کسی وقت بچوں کی تربیت سے غفلت کرتا ہے، بعض دفعہ بیوی کا حق ادا نہیں کرتا۔ ایسی صورت میں جب قیامت کے دن ان غلطیوں کا طومار اس کے سامنے رکھا جائے گا تو اس وقت اس کے پاس کیا چیز ہو گی جو اس کے بدلہ میں دے گا۔ اس وقت صرف ایک ہی چیز ہو گی جو بدلہ میں پیش کر سکے گا۔ یعنی جو اس نے اپنے بھائیوں کے گناہ معاف کئے ہوں گے۔ اس وقت خدا تعالیٰ کہے گا کہ میرا بندہ دنیا میں دوسروں کے گناہ معاف کرتا رہا ہے اور جب یہ بندہ ہو کر اپنے جیسے بندوں کے گناہ معاف کرتا رہا ہے تو مَیں رب العالمین ہو کر اس کے گناہ کیوں نہ معاف کروں۔ مجھے تو اسے سزا دیتے ہوئے شرم آتی ہے۔ لیکن بعض لوگ اس قانون سے یہ ناجائز فائدہ اٹھاتے ہیں کہ قانون شکنی کو جرم نہیں سمجھتے اور خود بخود خیال کر لیتے ہیں کہ وہ قابل معافی ہیں۔ مثلاً جب نظام سلسلہ کے خلاف بعض لوگ حرکت کرتے ہیں تو کہتے ہیں کہ خدا اتنے گناہ معاف کرتا ہے آپ بھی معاف کر دیں۔ حالانکہ وہ اتنا نہیں سوچتے کہ اس فعل کی اصلاح ہونی چاہئے اور معاف کرنا تو اس کے اختیار میں ہوتا ہے جس کا جرم کیا جائے۔

رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے پاس بعض لوگ ایک عورت کا مقدمہ لائے جس نے چوری کی تھی۔ چونکہ وہ ایک امیر گھرانے سے تعلق رکھتی تھی۔ بعض لوگوں نے عرض کیا یارسول اللہ! اسے معاف کر دیا جائے۔ رسول کریم صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم یہ سن کر جوش میں آ گئے اور آپؐ نے فرمایا: خدا کی قسم! اگر میری بیٹی فاطمہ بھی چوری کرے تو مَیں اس کا ہاتھ کاٹ ڈالوں۔5

تو معافی کے یہ معنے نہیں کہ اس سے ناجائز فائدہ اٹھایا جائے اور نہ مجرم کے لئے یہ حکم ہے کہ وہ بطور حق کے معافی مانگے۔ معافی دینا اصل میں خدا کا کام ہے اور اس نے بندہ کے گناہ معاف کرنے کی نیکی کو اس کی معافی کا ذریعہ بنایا ہے۔ اور یہی چیز ہے جو خدا کے سامنے ان گناہوں کے طومار کی سزا دینے سے اسے بچاتے ہیں۔

دیکھو خدا تعالیٰ کی تعلیم کس طرح حکمت سے پُر ہے۔ ایک طرف حاکم کو کہتا ہے کہ تُو نیچا ہو کر بات کر اور دوسری طرف ماتحت کو کہتا ہے کہ اگر کوئی تجھ پر ظلم کرتا ہے تو مجھ سے

مدد مانگ۔ تُو اور کسی کے پاس جاتا ہی کیوں ہے۔ تُو اِیَّاكَ نَسْتَعِيْنُ پڑھتا ہے کہ اے خدا مَیں نے کسی کے پاس جا کر کیا لینا ہے جبکہ تجھ سا محسن خدا موجود ہے۔ مگر جب انسان کی یہ حالت ہو کہ ادھر وہ یہ عہد کر کے ہر دروازہ سے بھیک مانگتا پھرے اور خدا کا عہد توڑ دے تو اسے مدد کیا ملنی ہے لیکن اگر بندہ اللہ تعالیٰ کا ہو جائے تو پھر وہ یقیناً ایسے سامان پیدا کر دیتا ہے کہ اس کے نقصان کی تلافی ہو جائے کیونکہ جو شخص خدا تعالیٰ سے مدد مانگتا ہے خدا اس کا ساتھ کبھی نہیں چھوڑتا۔" (الفضل 2 اگست 1961ء)

1: الفاتحة: 2

2: الفاتحة: 4,3

3: الفاتحة: 6

4: الفاتحة: 5

5: بخاری کتاب الحدود باب کراھیة الشفاعة فی الحد اذا رفع الی السلطان